پہلی برطانوی سازش

اِدھر پاکستان بننے کا اعلان ہوا اُدھر اس نئی مملکت
کو تباہ کرنے کی سازشیں شروع ہو گئیں جن میں
اپنے بھی شریک تھے اور غیر بھی
دبیر حسین رضوی ایک ایسی ہی سازش کا سراغ
لگاتے ہیں

۱۹۴۷ء کی پہلی سہ ماہی میں میں بطور سب انسپکٹر پنجاب سی آئی ڈی لاہور میں باوا جگت سنگھ ڈی ایس پی کے ماتحت تعینات تھا جو گورو دت بھون شیش محل روڈ میں رہا کرتے تھے اور ان کے خسر باوا بچھتر سنگھ کی مشہور دکان باوا گلاس کمپنی نئی انار کلی میں تھی۔ مسٹر SAVAGE ہمارے ایس پی تھے اور مسٹر جینکن ڈی آئی جی۔

مجھے بخوبی یاد ہے کہ تین چار مارچ کو لاہور میں چوک متی سے ہندو مسلم فسادات شروع ہوئے جو سارے پنجاب میں پھیلتے ہی چلے گئے روز افزوں شدت کے ساتھ جن کے ہولناک تصور سے آج بھی کلیجہ منہ کو آتا ہے۔

مذہبی تعصب اور فرقہ وارانہ شدت کا سب سے جاں گسل پہلو یہ تھا کہ سرکاری ملازمین، خال خال مستثنیات کے سوا، سارے کے سارے بالواسطہ یا بلاواسطہ قتل و غارت میں ملوث ہو گئے۔ نظم و نسق معطل ہو گیا، کرفیو بے اثر اور پولیس اور فوج کا گشت محض نمائشی۔ انگریز افسروں کے رویے سے صاف ظاہر ہوتا تھا کہ وہ تباہی اور بربادی چاہتے ہیں۔ انہیں آگ اور خون کا یہ خوفناک کھیل روکنے سے کوئی دلچسپی نہ تھی۔ انگریز حکام کے شب و روز بدستور لہو و لعب سے عبارت تھے۔ جینکن کو تو مسلمانوں سے خدا واسطے کا بیر تھا اور وہ پاکستان دشمنی میں اندھا ہو چکا تھا۔

۸ جولائی ۱۹۴۷ء کا ذکر ہے۔ دوپہر کے بعد سی آئی ڈی کے ڈپٹی انسپکٹر جنرل مسٹر جینکن نے اپنے قلم سے لکھا ہوا سر بمہر لفافہ میرے حوالے کیا اور حکم دیا کہ آج شام بذریعہ ریل گاڑی نئی دہلی روانہ ہو جاؤں اور اس لفافے کو مکمل حفاظت کے ساتھ وائسریگل لاج پہنچا دوں۔ میں نے لفافہ لیا، پنجاب سول سیکریٹریٹ سے باہر آیا اور مال روڈ پر بھگوت کے ریسٹورنٹ "لازنگ" میں جا نکلا۔ آئس کریم کھا رہا تھا کہ مس ممتاز شاہنواز آ گئیں اور میرے ساتھ آئس کریم میں شریک ہو گئیں۔ مس ممتاز شاہنواز مرحومہ سے میری پہلی ملاقات دہلی میں ایک مباحثے کے موقع پر ہوئی تھی۔ مسلم لیگ ایجی ٹیشن کے دنوں میں جلسوں اور جلوسوں میں انہوں نے دن رات انتھک کام کیا۔ گرفتاریاں ہوئیں اور مسلم لیگ کے کارکن پسِ دیوارِ زنداں مقید ہوئے، سختیاں جھیلیں، زنانہ جیل میں مسز سوداگر سنگھ جیلر نے خواتین پر ظلم ڈھائے تو مس ممتاز نے اس تشدد کا سامنا بڑی دلیری سے کیا۔ ممتاز کی زندگی نے وفا نہ کی اور پاکستان بن جانے کے بعد وہ یورپ میں ہوائی جہاز کے ایک حادثے میں جاں بحق ہو گئیں۔

سرکاری لفافہ میں نے ایک بڑے رسالے کے اندر رکھ دیا تھا اور رسالے کو بڑی احتیاط سے سنبھالے بیٹھا تھا کہ مہریں سلامت رہیں ——
مس ممتاز کی نظر اس پر پڑ گئی۔ پوچھا یہ کیا ہے۔ میں نے قدرے تذبذب کے بعد لفافہ دکھایا۔ لفافے پر ہاتھ سے "ٹاپ سیکرٹ" (TOP SECRET) لکھا ہوا تھا اور پتہ مندرجہ ذیل تھا:

سر جارج ایبل
پرائیویٹ سیکرٹری ہز ایکسی لنسی دی وائسرائے
اینڈ گورنر جنرل آف انڈیا

لفافے کی پُشت پر چاروں کونوں پر چار مُہریں لگی تھیں، ایک مُہر وسط میں تھی۔ جس پُرآشوب دور سے ہم اُس وقت گزر رہے تھے، اس کے پیشِ نظر ہم دونوں نے محسوس کیا کہ یہ اہم خُفیہ لفافہ یقیناً غیر معمولی معلومات پر مشتمل ہوگا۔ دل میں کُرید سی پیدا ہوگئی کہ دیکھیں تو سہی اس میں ہے کیا؛ میری چھٹی حس پکار پکار کر کہہ رہی تھی ضرور کوئی بہت اہم بات ہے۔ آخر مَیں نے خطرہ مول لے کر لفافے میں بند "ٹاپ سیکرٹ" معلوم کرنے کا فیصلہ کر لیا۔ ہم دونوں لاؤنگ سے اُٹھے اور لارنس گارڈن کے قریب ایک محفوظ مقام پر پہنچے جہاں دو اَور نامور ہستیوں سے مشورہ کرنے کے بعد مَیں نے بصد احتیاط لفافے کو کانپتے ہاتھوں اور دھڑکتے دل کے ساتھ کھولا۔ اندر اسی طرح کا ایک اَور سربمُہر لفافہ تھا۔ لفافے پر ہاتھ سے لکھا ہوا پتہ حسبِ ذیل تھا:

مسٹر لڈل

چیف آف برٹش سیکرٹ سروس۔ لندن

اس لفافے کی پُشت پر بھی پانچ مُہریں لگی ہوئی تھیں۔ میرے اضطراب، تشویش اور تجسّس میں اَور اضافہ ہوگیا۔ آخر اسے بھی احتیاط سے کھولا۔ اندر سے متعدد اوراق پر مشتمل ہاتھ سے لکھا ہُوا طویل خط نکلا۔ پڑھا، تو کچھ سمجھے کچھ نہ سمجھے۔ آخر فیصلہ ہوا کہ اس کی نقل فوراً قائدِ اعظم کو پہنچائی جائے؛ چنانچہ زیدی مرحوم فوٹوگرافر پلومر بلڈنگ (بالمقابل ہائی کورٹ) کو اعتماد میں لیا۔ فوٹو کاپی تیار ہوئی جسے مِس ممتاز لے کر بذریعہ ہوائی جہاز دہلی پہنچیں اور قائدِ اعظمؒ کے حوالے کر آئیں۔ مَیں نے خط اندرونی لفافے میں ڈال کر بند کیا، ٹھیک ٹھاک مُہریں لگائیں جو ٹوٹنے نہ پائی تھیں۔ پھر اسے بڑے لفافے میں بند کر کے اسی طرح مُہریں لگا دیں۔ اگلے دن ریل گاڑی کے ذریعے نئی دہلی پہنچا اور وائسریگل لاج میں سر جارج ایبل کے دفتر میں جا کر لفافہ انہیں بنفسِ نفیس دے دیا۔ میز پر رکھے ہوئے ایک برقی لیمپ کی روشنی میں صاحب بہادر نے لفافے کو گھما پھرا کر مُہروں کا جائزہ لیا ——— پھر مجھے بیٹھے رہنے کا حکم دے کر خود دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ اس وقت میرے قلب کی جو کیفیت اور ذہنی اضطراب کا جو عالم تھا، طویل مدّت گزر جانے کے باوجود آج بھی ناقابلِ بیان ہے۔

مجھ سے کُرسی پر بیٹھا نہ رہا گیا اور مَیں اُٹھ کھڑا ہُوا۔ اچانک مَیں نے اندرونی کھڑکی کے ہلتے ہوئے ریشمی پردوں میں سے دیکھا پاس والے کمرے میں سر جارج ایبل نے وہ لفافہ ایک دوسرے انگریز کے سامنے کھولا، ان صاحب بہادر نے بھی اندرونی لفافہ اپنی میز پر رکھے ہوئے برقی لیمپ کی روشنی میں جانچا پرکھا اور پھر ایک چرمی تھیلے میں اُسے دوسری ڈاک کے ساتھ ڈال دیا۔ اب میرے اوسان بجا ہوئے اور مَیں لپک کر کُرسی پر آ بیٹھا۔ معاً سر ایبل کمرے میں داخل ہوئے اور کہا: "وَیل انسپکٹر! آپ جا سکتے ہیں۔" مَیں نے خط کی رسید مانگی، تو کہا ہم بذریعہ وائرلیس مسٹر جینکن کو مطلع کر رہے ہیں۔ مَیں ریل گاڑی سے لاہور واپس آ گیا۔ وقت گزرتا رہا اور پاکستان بن گیا۔

۴ ستمبر ۱۹۴۷ء کی صبح مَیں نے پاکستان ٹائمز پڑھا، تو وہی خط چھپا ہوا تھا۔ اپنے دفتر پہنچا، تو سب افسروں کے ہاتھ میں یہ اخبار تھا اور چہ میگوئیاں ہو رہی تھیں۔ فکرِ ہر کس بقدرِ ہمّتِ اوست۔ مَیں دن بھر طرح طرح کے تبصرے سُنتا رہا۔

غالباً دوسرے یا تیسرے دن مسٹر وی۔ ٹی بیلی سپرنٹنڈنٹ پولیس، شملہ سے لاہور آ دھمکے۔ قیامِ پاکستان سے پہلے وہ لاہور سی آئی ڈی (سیکورٹی) میں ایس پی تھے۔ ان کی آمد پر لاہور سی آئی ڈی کے اعلیٰ افسروں نے ہر ممکن کوشش کی کہ اس رازِ سربستہ کے طشت ازبام ہو جانے کا سراغ لگا لیں، لیکن ناکام رہے اور بیلی صاحب چند روز بعد بے نیلِ مرام شملہ واپس سدھارے۔ مجھے لاہور سی آئی ڈی کے آفس سپرنٹنڈنٹ سے معلوم ہوا کہ ٹریولنگ الاؤنس بلز کی جانچ پڑتال بار بار کی گئی، لیکن مَیں نے لاہور سے دہلی جانے اور واپس آنے کا کوئی ٹی اے بِل نہیں بنایا تھا۔ پاکستان ٹائمز کے دفتر میں بھی مخبر پھیل گئے اور سراغ لگانے کی بڑی تگ و دَو کی، لیکن بے سُود۔

اگرچہ میری صحت بوجہ پیری جواب دے چکی ہے، لیکن حافظہ ابھی تک کام کرتا ہے۔ مجھے بخوبی یاد ہے کہ اس خط میں جینکن صاحب نے کیا لکھا تھا۔

اور اس بارے میں خود عائد کردہ سنسر شپ کی نازک گھڑیوں میں ہم چار شرکائے مُہم کے درمیان بڑے شد و مد سے بحث ہوتی رہی تھی کہ یہ احمد اور فُون کون معتبرین ہو سکتے ہیں؟ لیکن مجھے حیرت ہے کہ "پاکستان ٹائمز" میں شائع شدہ خط میں یہ حصّہ حذف کیسے ہو گیا!

خط مندرجہ ذیل ہے:

<u>جینکن کا خط</u>

خُفیہ اور ذاتی

پنجاب کلب لاہور

۸ جولائی، ۱۹۴۷ء

میرے پیارے لڈل،

آپ کا خط نمبر ۵۔ الیف۔ ۲۰۵/ انڈیا/ ۵/ ڈی او جی ——— محرّرہ ۱۸ جون، ۴۷ ۱۹ء موصول ہُوا۔

پاکستان کے بارے میں سب کچھ طے پا چکا ہے، تاہم دیگر حالات

انتہائی مبہم ہیں۔ پاکستان کی حتمی شکل کے بارے میں کوئی فیصلہ نہیں ہوا، اور یہ بھی علم نہیں اس میں حکومت کی ہیئت کیا ہوگی۔ یہ تو بدیہی امر ہے کہ مسٹر جناح ایک آمر کی حیثیت اختیار کر جائیں گے اور پوری قوت ایک منتخب ٹولے کے ہاتھ میں مرکوز ہوگی ——— لیکن ان میں سے ہر ایک کا منصب کیا ہوگا، اس کا فیصلہ ابھی نہیں ہُوا۔ حالات کے پیشِ نظر ایسا موزوں وقت نہیں آیا جب ان افراد کی نشاندہی کی جا سکے یا ان سے روابط استوار کیے جا سکیں، کیونکہ کچھ پتہ نہیں کون لوگ سامنے آنے والے ہیں۔

میرے خیال میں رابطہ افسر لائن پر عمل کرنا درست رہے گا۔ مَیں یہ نہیں کہتا کہ یہ بہترین راستہ ہے، لیکن احمد کو علم ہے کہ دہلی میں متعلقہ امور پر بحث کے دوران اسی انتظام کے بارے میں اتفاقِ رائے پایا گیا تھا۔ اُمید ہے احمد کو پاکستان میں بڑی اہمیت حاصل ہوگی؛ چنانچہ وہ گزشتہ تصوّرات و نظریات سے پسپائی کو پسند کرے گا۔

ممکن ہے سرحدی کمیشن مسلمانوں کو اور زیادہ نقصان پہنچائے۔ اگر ایسا ہوا، تو پھر بھی میرا خیال ہے مسلمان برطانوی سیکورٹی کی مدد کو خوش آمدید کہیں گے۔ میرے خیال میں مناسب وقت آنے پر یہ مسئلہ اُٹھانا یا اس کے بدل کے طور پر یہ مشورہ دینا کہ یہ کام کون انجام دے، چنداں مشکل نہیں۔ حالات کا جائزہ لینے کے لیے دو ایک ماہ انڈیا میں قیام کرنے کی طرف راغب ہوں، اگر اس سے تمہیں فائدہ پہنچنے کی توقع ہو، تو مَیں پھر ضرور رُک جاؤں گا۔ کیا تم مجھے جلدی اس امر سے آگاہ کرو گے اور ہمارے درمیان تیز رفتار مواصلاتی نظام قائم کر سکو گے؟ مجھے یقین ہے کہ لاہور میں ہائی کمشنر کا کوئی نمائندہ موجود ہے، کیا وہ ہمارے درمیان سگنل بھیجنے کا ذریعہ بن سکتا ہے؟

مَیں نے فی الحال بینیٹ کو اس معاملے سے آگاہ نہیں کیا، کیونکہ میرا خیال ہے وہ مفید ثابت نہیں ہو سکتا۔ وہ یقیناً مُسلمانوں کا پی این جی ہے اور مجھے ڈر ہے کہ وہ جس کام پر بھی مامور ہُوا مسلمان اسے شک و شبہے کی نظر سے دیکھیں گے۔ کسی آئندہ مرحلے پر مَیں گورنر کو تمام کو الف سے مطلع کروں گا اور وہ بھی تمہاری منظوری ہی سے!

مَیں پاکستان میں دلچسپی لیتا ہوں۔ میرا خیال ہے تمہیں یاد ہوگا کہ جب تم لاہور میں تھے، تو مَیں نے بعض امکانات پر تمہارے ساتھ گفتگو کی تھی، میرے وہ تمام نظریات ڈومینین مرتبے کے ساتھ ہوا ہو گئے ہیں؛ تاہم میرا اب بھی یہ خیال ہے کچھ اور نہیں، تو دُنیا کا یہ حصّہ دلچسپی کا مرکز ضرور رہے گا۔ اگر مجھے کہا گیا، تو مَیں ضرور سوچوں گا اور پیش کش بھی کروں گا۔ ساتھ ہی موجُودہ حالات کے پیشِ نظر اگر مجھے پاکستان میں خوش آمدید نہیں کہا جاتا، تو میرا یہاں قیام لاحاصل رہے گا۔ مسلم لیگ میں میرے کچھ دوست ہیں اور انہوں نے مجھ پر زور دیا ہے کہ مَیں یہاں سے نہ جاؤں۔ حال ہی میں بدامنی پر قابو پانے والے ادارے کا مَیں سربراہ بنایا گیا ہوں اور مَیں نے انتہائی سخت اقدامات کیے ہیں مسلمانوں نے ان پر ناراضی کا اظہار کیا اور ممدوٹ نے اس سلسلے میں اپنی حمایت سے ہاتھ اُٹھا لیا ہے۔ ساتھ ہی دوستی کے بجائے دھمکیاں زیادہ نصیب ہو رہی ہیں۔ اس ساری صورتِ حال کے باوجُود یہ جائزہ لیا جا رہا ہے کہ آیا مجھے پاکستان کی انٹیلی جنس کا ڈائریکٹر بنایا جا سکتا ہے؛ اس کا مطلب یہ ہے کہ مَیں بلیک لسٹ میں شامل نہیں، تاہم میری ذاتی اہلیّت کا فیصلہ مستقبل قریب میں ہو جائے گا۔

مختصراً میرے خیال میں:

① رابطہ لائن پر کام کرنا بہتر ہے۔
② اس قسم کے خیال کو خوش آمدید کہنے کے مواقع بہت ہیں لیکن اسے

عملی جامہ پہنانے کا وقت ابھی آیا نہیں۔

(۳) مجھے یہ مسئلہ اُٹھانا چاہیئے یا اسے اُٹھانے کے طریقے سمجھانے چاہئیں۔

(۴) اس مقصد کے لیے مَیں دو ایک ماہ انڈیا میں ٹھہر سکتا ہُوں۔

(۵) مَیں کسی بھی پیش کش پر غور کرنے کو تیار ہُوں، لیکن اگر پاکستان کو میری ضرورت نہیں، تو پھر مجھے اس پر ٹھونسنے سے کوئی مقصد حاصل نہ ہوگا۔

(۶) مواصلات کے تیز رفتار نظام کا قیام وقت کی اہم ترین ضرورت ہے۔

یہاں کا موسم انتہائی ناخوشگوار ہے اور گرمی بے پناہ — کل زیادہ سے زیادہ درجۂ حرارت ۱۱۵ اور کم از کم ۹۷ درجے تھا۔ اس طرح کے دوزخ میں کام کرنے کی حالت بیان کرنے سے مَیں تو قاصر ہُوں۔ ذرا سا امن و امان قائم کرنے کے لیے بھی بہت تگ و دو کرنا پڑے گی۔

مجھے خوشی ہے کہ مارٹن اور رب بخوبی کام سرانجام دے رہے ہیں۔ نیوریج بہت پہلے ممبر آسکتا تھا اور مجھے اعتماد ہے کہ وہ آپ کے لیے تسلی بخش ثابت ہوگا۔

اگر ممکن ہو تو اپنے جواب کا سگنل مجھے بھیج دیں۔ اس سے وقت بچے گا اور اب تو زیادہ وقت رہا بھی نہیں۔

آپ کا مخلص

ڈبلیو۔ این۔ پی۔ جینکن

مَیں نے تمہارا خط تلف کر دیا تھا اور اس خط کی نقل بھی اپنے پاس نہیں رکھی۔

اس خط پر انہی دنوں پاکستان ٹائمز نے اپنے اداریے میں لکھا:

یہ دستاویز بڑے اہم انکشافات کی حامل ہے اور اس سے کئی نازک سوال ابھرتے ہیں مثلاً مسٹر جینکن نے "رابطے" کی جس تجویز کا ذکر کیا ہے اس کا مقصد کیا ہے؟ "موزوں آدمیوں" سے کیا مراد ہے؟ یہ موزوں آدمی کون تھے یا کون ہیں؟ یہ احمد صاحب کون ہیں جنہیں پاکستان میں اہمیت حاصل ہوگی؟ وہ مسٹر جینکن اور لندن میں اس کے افسرانِ بالا سے کیا معاملات کرتا ہے؟ اس نے "رابطے" کے لیے کون سے فرائض انجام دیے تھے اور کس کے مفاد کی خاطر؟ مسٹر جینکن کو کیسے پتہ چلا جبکہ کسی اور کو علم نہ تھا کہ سرحدی کمیشن کا فیصلہ مسلمانوں کو "نقصان" پہنچانے کا باعث ہوگا؟ کیا ہم یہ فرض کرلیں جیسا کہ ہم نے اس فیصلے سے پہلے پیش گوئی کی تھی کہ اس کا معاملے کی اچھائی سے کوئی تعلق نہیں، پہلے سے سوچ سمجھ کر ایسا کیا گیا اور اسے جان بوجھ کر غیر منصفانہ اور غیر جمہوری بنایا گیا۔ صرف ایک غیر منصفانہ فیصلہ ہی بھارت اور پاکستان کے درمیان زیادہ سے زیادہ دشمنی کی فضا کو جنم دے سکتا تھا اور مسلمانوں کو انصاف اس لیے حاصل نہ ہوسکا کیونکہ وہ ایک کمزور ترین "فریق" تھے۔ پھر مسٹر جینکن اس پیش کش کے عوض کیا خدمات انجام دے گا جو وہ بڑی ہٹ دھرمی سے طلب کر رہا ہے۔ اور کون سے مسلم لیگی اس کٹر اور شیطان صفت گورنر کے ہم نام شخص کو پاکستان میں اہم عہدے پر فائز کرنے کے ذمہ دار تھے؟ اس کا کہنا ہے کہ وہ کچھ عرصہ یہاں قیام کرے گا اور اپنے اور مخاطب کے درمیان تیز رفتار ذریعۂ مواصلات قائم کرے گا۔ یہ پُوچھنے کی ضرورت ہی نہیں کہ وہ اس سے کیا فائدہ اُٹھائے گا۔ ہم پہلے کہہ چکے ہیں کہ ہمیں مسٹر جینکن کی اس شعبدہ گری کی تفصیلات کا علم نہیں، لیکن اس دستاویز کی ایک تعبیر یہ کی جاسکتی ہے کہ وہ اور اس کے معاونین انگریزوں کے زیرِ سایہ پاکستان میں جاسوسی کا جال بچھا کر ہماری حکومت کی نگرانی کرنا چاہتے ہیں۔

تواضع

پہلی جنگِ عظیم کے زمانے میں ایک انگریز فوجی موٹر سائیکل پر سیالکوٹ سے وزیرآباد جا رہا تھا۔ اتفاق سے کرم آباد کی سڑک پر ایک کتا راستہ کاٹ رہا تھا کہ دونوں ٹکرا گئے۔ ایک طرف موٹر سائیکل دوسری طرف سوار جا پڑا۔ کچھ چوٹیں آئیں، اُٹھا اور لنگڑاتا ہُوا گاؤں کے کنارے چلا گیا۔ مولانا کے نوکر کھڑے تھے۔ انہیں لتاڑنا شروع کیا "نمبردار کدھر ہے؟"

نوکر گھبرا گئے۔ مولانا لُنگی اور ململ کا کرتہ پہنے کھیتوں میں پھر رہے تھے۔ گورے کو اس حالت میں دیکھا، تو دوڑ کر آئے۔ اس نے کچھ جانے بغیر "یو ڈیم نمبردار کدھر تھا" کہہ کر مخاطب کیا۔ مولانا خاموش ہوگئے۔ اس نے ایک اور گالی لڑھکا دی۔ اب مولانا کو غصہ آگیا۔ پہلے تو زناٹے کا تھپّڑ رسید کیا پھر نوکروں سے کہا اس کی جُوتوں سے مُرمّت کرو۔ چودھری غلام حیدر خاں کا بیان ہے کہ جُوتوں کی چھ ضربوں ہی سے اس کے مزاج سیدھے ہوگئے۔ فوراً معذرت کرنے لگا "او، ویل، ٹھیک تم بہت اچھا"

اس قلبِ ماہیت پر مولانا اُسے اپنے مکان کے برآمدے میں لے گئے۔ چائے تیار کروائی، انڈے منگوائے، بسکٹ پیش کیے اور اپنی گاڑی میں گھوڑا جُتوا کر اُسے وزیرآباد تک پہنچوا دیا۔

("ظفر علی خاں" از شورش کاشمیری)